حضرت سید الساجدین زین العابدین علیہ السلام

آیت اللہ العظمیٰ سید علی نقوی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب:۔ علیؑ نام اور زین العابدین و سید الساجدین نام سے زیادہ مشہور لقب ہیں۔ آپ وہ مخصوص ہستی ہیں جنھوں نے عرب اور عجم دونوں قوموں کی ممتاز شرافتوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا۔ دادھیال کی طرف سے روحانی اقتدار کے وارث ہوئے اور نانھیال کی جانب سے ایران کے کسروی خاندان کی شاہانہ ہمت اور بلند اوصاف کے وارث بھی ہوئے ان کے والد بزرگوار رسولخداؐ کے نواسے اور علیؑ اور فاطمہؑ کے بیٹے حضرت امام حسینؑ شہید کربلا تھے اور ان کی والدہ آخری تاجدار ایران یزدجرد کی بیٹی شاہ زنان تھیں جو شہر بانو کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اس وقت کہ جب عرب میں نسلی تعصب انتہا درجہ پر تھا۔ عجم کی شہزادی اسیر ہو کر عرب کے ملک میں آئیں۔ کون تھا جو قومی اور نسلی دشمنی کے ہوتے ہوئے شہنشاہ ایران کی لڑکی کو مناسب عزت و احترام کا درجہ دے سکتا۔ وہ انسانیت کے بڑے علمبردار حضرت علی ابن ابیطالبؑ ہی تھے جنھوں نے ایران کی شہزادی کو اپنے بیٹے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ بیاہ کر عرب کی ملکہ بنا دیا اور خدا نے انہیں کو حضرت امام زین العابدینؑ کی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔ اس طرح امام زین العابدینؑ عرب کے سردار حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ کے پوتے اور عجم کے شہنشاہ یزدجرد کے نواسے تھے اور اسی لئے عرب و عجم سب ہی کی نگاہ میں بڑی عزت کا درجہ رکھتے تھے۔

ولادت:۔ حضرت علی ابن ابیطالبؑ کوفہ میں مسند خلافت پر متمکن تھے جب ۱۵ رجمادی الثانی ۳۸ھ میں سید سجادؑ کی ولادت ہوئی آپ کے دادا حضرت علی ابن ابیطالبؑ اور سارے خاندان کے لوگ اس مولود کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شائد علیؑ ہی نے پوتے میں اپنے خدوخال دیکھ کر اس کا اپنے نام پر علیؑ نام رکھا۔

تربیت:۔ حضرت امام زین العابدینؑ کو ماں کی محبت بھری پرورش سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکا اس لئے کہ ان کا آپ کی ولادت کے بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دو برس کا سن تھا جب آپ کے دادا حضرت امیر علیہ السلام کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ امام زین العابدینؑ اپنے چچا حضرت امام حسنؑ اور والد ماجد امام حسینؑ کی تربیت کے سایہ میں پروان چڑھے، بارہ برس کی آپ کی عمر تھی جب حضرت امام حسنؑ کی وفات ہوئی اب امامت کی ذمہ داریاں آپ کے والد حضرت امام حسینؑ سے متعلق تھیں۔ شام کی حکومت پر بنی امیہ کا قبضہ تھا اور واقعات کربلا کے اسباب حسینی جہاد کی منزل کو قریب سے قریب تر لا رہے تھے۔ جب حضرت زین العابدینؑ بلوغ کی منزلوں پر پہونچ کر جوانی کی حدوں میں قدم رکھ رہے تھے زین العابدینؑ نے

آنکھیں کھول کر ان واقعات کی رفتار کو آگے ہی بڑھتے ہوئے دیکھا جنھوں نے بعد میں کربلا کی قربانی کو ضروری قرار دیا۔

شادی:۔اسی زمانہ میں جب کہ امام حسینؑ مدینہ میں خاموشی کی زندگی بسر کر رہے تھے حضرت نے اپنے فرزند سید سجادؑ کی شادی اپنی بھتیجی یعنی حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادی کے ساتھ کر دی جن کے بطن سے امام محمد باقرؑ کی ولادت ہوئی اور اس طرح امام حسینؑ نے اپنے بعد کے لئے سلسلۂ امامت کے باقی رہنے کا سامان خود اپنی زندگی میں کر دیا۔

واقعۂ کربلا:۔ سنہ ۶۰ھ میں سید سجادؑ کی عمر ۲۲ سال کی تھی جب حضرت امام حسینؑ کو عراق کا سفر درپیش ہوا اور سید سجادؑ بھی ساتھ تھے نہیں کہا جا سکتا کہ راستہ ہی میں یا کربلا پہنچنے کے بعد کہاں آپ بیمار ہوئے اور دس محرم سنہ ۶۱ھ کو امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر اس قدر بیمار تھے کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا اور یقین ہے کہ ساتویں سے پانی بند ہونے کے بعد پھر سید سجادؑ کے لئے بھی پانی کا ایک قطرہ ملنا ناممکن ہو گیا۔ایک ایسے بیمار کے لئے یہ تکلیف برداشت سے باہر تھی ۔عاشور کے دن کے اکثر حصہ میں آپ غشی کے عالم میں رہے اور اسی لئے کربلا کے جہاد میں اس طرح شریک نہ ہو سکے جس طرح ان کے دوسرے بھائی شریک ہوئے اور اسی لئے حضرت امام حسینؑ آخری رخصت کے وقت وہ وصیتیں جو امامت کے منصب سے متعلق تھیں خود سید سجادؑ کے سپرد نہ فرما سکے بلکہ انہیں ایک کاغذ پر لکھ کر اپنی صاحبزادی فاطمہ کبریٰ کے سپرد فرما دیا اور کہہ دیا کہ جب تمہارے بھائی ہوش میں آئیں تو انہیں دے دینا۔قدرت کو سید سجادؑ کا امتحان دوسری طرح لینا تھا وہ حسینؑ کے بعد لٹے ہوئے قیدیوں کے قافلہ سالار بننے والے تھے۔ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے ادھر ظالم دشمنوں نے خیام اہل بیتؑ کی طرف رخ کر دیا اور لوٹنا شروع کر دیا ۔اس وقت کا اہل حرم کا اضطراب ،خیام میں تہلکہ اور پھر ان ہی خیموں میں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس وقت سید سجادؑ کا کیا عالم تھا اس کے اظہار کے لئے کسی زبان یا قلم کو الفاظ ملنا غیر ممکن ہیں مگر کیا کہنا زین العابدینؑ کی عبادت خدا کا انہوں نے اس بیماری، اس مصیبت اور اس آفت میں بھی اپنی عبادت کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔آپ نے گیارہوں محرم کی شب کو نماز فریضہ کے بعد سجدۂ معبود میں خاک پر سر رکھ دیا اور ایک ہی سجدہ میں پوری رات ختم کر دی ۔سجدہ میں یہ کلمات زبان پر تھے ۔ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ حَقّاً حَقّاً لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِيْمَاناً وَّ صِدْقاً لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَبُّداً وَّ رِقّاً (یعنی کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے جو حق ہے یقینا حق ہے کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے ایمان کی رو سے اور سچائی سے ۔کوئی نہیں معبود سوائے ایک اللہ کے۔ گواہی دیتا ہوں میں اس کی بندگی اور نیازمندی کے ساتھ) یوں ہی صبح ہو گئی۔

دوسرے دن فوج دشمن کے سالار ابن سعد نے اپنے کشتوں کو جمع کیا اور ان پر نماز پڑھ کر دفن کیا مگر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کو اسی طرح بے گور و کفن زمین گرم کربلا پر دھوپ میں چھوڑ دیا۔یہ موقع سید سجادؑ کے لئے انتہائی تکلیف کا تھا وہ اس وقت جب دشمن کے ہاتھ میں قید ہو کر بہنوں ، پھوپھیوں اور دیگر اہل حرم کے ساتھ مقتل سے

گذر رہے تھے تو یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ روح جسم سے جدا ہو جائے۔ انہیں اس کا صدمہ تھا کہ وہ اپنے باپ اور دوسرے عزیزوں کو دفن نہ کر سکے۔ وہ تو دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر تھے اور کربلا سے کوفہ لے جائے جا رہے تھے۔

پھر کتنا دل کو بےچین کرنے والا تھا وہ منظر جب خاندان رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ دربار ابن زیاد میں پہونچا۔ سید سجادؑ محسوس کر رہے تھے کہ یہ وہی کوفہ ہے جہاں ایک وقت میں علی ابن ابی طالبؑ بادشاہ سمجھے جاتے تھے اور زینبؑ وام کلثومؑ شاہزادیاں، آج اسی کوفہ میں ظالم ابن زیاد تخت حکومت پر بیٹھا ہے اور رسولؐ کا خاندان مقید کھڑا ہے۔ سید سجادؑ ایک بلند انسان کی طرح انتہائی صدمہ اور تکلیف کے ساتھ بھی ایک کوہ وقار بنے ہوئے خاموش کھڑے تھے ابن زیاد نے اس خاموشی کو توڑا یہ پوچھ کر کہ تمہارا کیا نام ہے؟'' امامؑ نے فرمایا علی ابن الحسینؑ'' وہ کہنے لگا کیا اللہ نے علی ابن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ امام نے جواب دیا ''وہ میرے ایک بھائی علیؑ تھے جنہیں لوگوں نے قتل کر دیا'' وہ سرکش جاہل کہنے لگا نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا امامؑ نے یہ آیت پڑھی کہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ یعنی اللہ ہی موت کے وقت قبض روح کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے جو سب کے لئے ہے۔ اس پر ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور کہا ''تم میں اب بھی مجھ کو جواب دینے اور میری بات رد کرنے کی جرأت ہے'' اور فوراً قتل کا حکم دیا۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زینبؑ دوڑ کر اپنے بھتیجے سے لپٹ گئیں اور کہا کہ مجھ کو بھی اس کے ساتھ قتل کیا جائے۔ سید سجادؑ نے کہا ''پھوپھی چھوڑ دیجئے اور مجھے ابن زیاد کا جواب دینے دیجئے''۔ ابن زیاد تو یہ سمجھا تھا کہ کربلا میں آل محمدؐ کے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر سید سجادؑ کے دل میں موت کا ڈر سما گیا ہوگا اور وہ قتل کی دھمکی سے سہم جائیں گے مگر بہادر حسینؑ کے بہادر فرزند نے تیور بدل کر کہا ''ابن زیاد تو مجھے موت سے ڈراتا ہے کیا ابھی تک تجھے نہیں معلوم کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت ہے'' یہ وہ پرزور الفاظ تھے جنہوں نے ظالم کے سر کو جھکا دیا۔ حکم قتل ختم ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ حسینؑ کی شہادت سے ان کی اولاد اہل حرمؑ پر کوئی خوف نہیں چھایا بلکہ قاتل ہی اس خاندان کے صبر و استقلال کو دیکھ کر خوف زدہ ہو چکے ہیں۔ کوفہ کے بعد یہ قافلہ دمشق کی طرف روانہ ہوا جس دن دمشق میں داخلہ تھا اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے گئے تھے اور تمام شہر میں آئینہ بندی کی گی تھی اور لوگ آپس میں عید مل رہے تھے۔ اس وقت حسینؑ کے اہل حرمؑ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے ایسے وقت انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہتے مگر وہ سید سجادؑ تھے جو ہر موقع پر ہدایت و اصلاح اور حسینی مشن کی تبلیغ کرتے جاتے تھے۔ جس وقت یہ قافلہ بازار سے گزر رہا تھا تو اموی حکومت کے ایک ہوا خواہ نے حضرت سجادؑ سے طنزیہ پوچھا اے فرزند حسینؑ کس کی فتح ہوئی؟ آپ نے جواب میں فرمایا تم کو اگر معلوم کرنا ہے کہ کس کی فتح ہوئی تو جب نماز کا وقت آئے اور اذان و اقامت کہی جائے اس وقت سمجھ لینا کہ کس کی فتح ہوئی؟ اسی طرح اس وقت جب یہ قافلہ مسجد دمشق کے دروازہ پر پہنچا تو ایک بوڑھا سامنے آیا اور اس نے قیدیوں کو دیکھ کر کہا کہ شکر ہے اس خدا کا

جس نے تم کوتباہ وبرباد کیا اور ملک کو تمہارے مردوں سے خالی اور پر امن بنایا اور خلیفۂ وقت یزید کو تم پر غلبہ عطا فرمایا۔ ان اسیروں کے قافلہ سالار حضرت سید سجادؑ سمجھ گئے کہ یہ ہم لوگوں سے واقف نہیں ہے۔ فرمایا کہ اے شیخ کیا تم نے یہ آیت قرآن میں پڑھی ہے قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ کہہ دوائے رسولؐ کہ میں سوائے اپنے اہلبیتؑ کی محبت کے تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ بوڑھے نے کہا ہاں یہ آیت میں نے پڑھی ہے فرمایا ''وہ رسولؐ کے اہلبیتؑ ہم ہی ہیں جن کی محبت تم پر فرض ہے'' یوں ہی خمس والی آیت میں جو ذَوِی الْقُرْبٰی کی لفظ ہے اور آیۂ تطہیر میں اہل بیت کی لفظ ہے یہ سب آپ نے اس کو یاد دلایا۔ بوڑھا یہ سن کر تھوڑی دیر حیرت سے خاموش رہا پھر کہا کیا خدا کی قسم تم لوگ وہی ہو؟ سید سجادؑ نے فرمایا ''ہاں قسم بخدا ہم وہی اہلبیتؑ اور قرابت دار رسولؐ کے ہیں'' یہ سن کر بوڑھا شیخ رونے لگا، عمامہ سر سے پھینک دیا، سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا ''خداوندا گواہ رہنا کہ میں آل محمدؐ کے ہر دشمن سے بیزار ہوں'' پھر امامؑ سے عرض کیا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ''فرمایا ہاں اگر توبہ کرو تو قبول ہوگی اور ہمارے ساتھ ہوگے'' اس نے عرض کیا میں اس جرم سے توبہ کرتا ہوں جو میں نے واقف نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی شان میں گستاخی کی۔

کوفہ میں دربار ابن زیاد میں اور پھر بازار کوفہ میں اور پھر دمشق میں یزید کے سامنے سید سجادؑ اور دیگر اہل حرمؑ کی بہادرانہ گفتگوئیں، خطبے اور احتجاج وہ تھے جنہوں نے دنیا کو شہادت حسینؑ کا مقصد بتایا اور اس طرح امام زین العابدینؑ نے اس مشن کو پورا کیا جسے امام حسینؑ انجام دے رہے تھے۔

رہائی کے بعد: ۔قید شام سے رہائی کے بعد امام زین العابدینؑ مع اہل حرم مدینہ گئے اور خاموش زندگی گزارنا شروع کی مگر مدینہ میں اب یزید کی خلافت کے خلاف جذبات بھڑک چکے تھے۔ ان لوگوں نے کوشش کی کہ امام زین العابدینؑ کو اپنے ساتھ شریک کرلیا جائے مگر امامؑ ان کی نیت اور ان کے ارادوں کی حالت کو خوب جانتے تھے آپ نے ان کا ساتھ دینا منظور نہیں فرمایا۔ اس لئے مدینہ پر جب یزید کی فوج نے چڑھائی کی تو امام زین العابدینؑ کو بلا وجہ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی مگر آپ کے روحانی صدمہ کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ رسول اللہؐ کی مسجد میں تین روز تک گھوڑے بندھتے رہے، سیکڑوں مسلمان شہید ہوئے اور سیکڑوں شریف عورتوں کی فوج یزید کے ہاتھوں عصمت دری ہوئی۔ یہ مصیبت آپ کے لئے نہایت ناگوار تھی مگر آپ نے صبر و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ایسے موقع پر جب کہ شہادت حسینؑ سے ہر طرف انقلاب برپا تھا اور مختلف جماعتیں خون حسینؑ کا بدلہ لینے کے لئے کھڑی ہوئی تھیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ کا اس ہنگامہ سے الگ رہ کر صرف عبادت اور تعلیمات الٰہی کی اشاعت میں مصروف رہنا ایک بڑا حیرت ناک ضبط نفس کا نمونہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیمان ابن صرد خزاعی یا مختار ابن ابی عبیدہؒ ثقفی جنہوں نے قاتلان حسینؑ سے انتقام لیا امام زین العابدینؑ کے دل میں ان کے لئے ہمدردی کا جذبہ موجود تھا۔ آپ نے مختار کے لئے دعائے خیر فرمائی ہے آپ

نے برابر لوگوں سے دریافت فرمایا ہے کہ کون کون قاتل، حسینؑ کے قتل ہو گئے۔ یقیناً مختار نے ان قاتلوں کو ان کے جرائم کی سزا دیکر سید سجادؑ کے زخمی دل پر ایک بڑا مرہم لگا دیا مگر آپ کا طرزِ عمل اتنا غیر متعلق اور محتاط رہا کہ حکومت وقت کی طرف سے کوئی ذمہ داری آپ پر ان اقدامات کی کبھی عائد نہ ہو سکی۔

آپ کی پوری زندگی کا دور آل محمدؐ اور ان کے شیعوں کے لئے پر آشوب رہا، یزید کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد حجاج ابن یوسف ثقفی کے ظالم حکومت اور چن چن کر آل رسولؐ کے دوستوں کو قتل کرنا، حکومت کی طرف سے ہر ایک نقل و حرکت بلکہ گفتگو پر بھی خفیہ مخبروں کا مقرر ہونا اس صورت میں کہاں ممکن تھا کہ آپ ہدایت خلق کے فرائض کو آزادی کے ساتھ انجام دے سکتے مگر آپ کی خاموش سیرت زندگی ہی دنیا کے لئے بہترین مثال تھی اور اپنی اس خاموش زندگی سے آپ دنیا کو رسول اللہؐ کی سیرت سے روشناس بنا رہے تھے۔

مشاغل زندگی:۔واقعۂ کربلا کے بعد ۳۴ برس امام زین العابدینؑ نے انتہائی ناگوار حالات میں بڑے صبر و ضبط اور استقلال سے گزارے اس تمام مدت میں آپ دنیا کے شور و شر سے علٰحدہ صرف دو مشغلوں میں رات دن بسر کرتے تھے، ایک عبادت خدا دوسرے اپنے باپ پر گریہ، یہی آپ کی مجلسیں تھیں جو زندگی بھر جاری رہیں آپ جتنا اپنے والد بزرگوار کے مصائب کو یاد کر کے روئے ہیں دنیا میں اتنا کسی نے گریہ نہیں کیا۔ ہر ہر وقت پر آپ کو حسینؑ کی مصیبت یاد آتی تھی جب کھانا سامنے آتا تھا تب روتے تھے جب پانی سامنے آتا تھا تب روتے تھے۔ حسینؑ کی بھوک و پیاس یاد آجاتی تھی تو اکثر اس شدت سے گریہ وزاری فرماتے تھے اور اتنی دیر تک رونے میں مصروف رہتے تھے کہ گھر کے دوسرے لوگ گھبرا جاتے تھے اور انہیں آپ کی زندگی کے لئے خطرہ محسوس ہو جاتا تھا ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آخر کب تک روئیے گا تو فرمایا کہ یعقوب نبیؑ کے بارہ بیٹے تھے ایک فرزند غائب ہو گیا تو وہ اس قدر روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں میرے سامنے تو اٹھارہ عزیز و اقارب جن کا مثل و نظیر دنیا کے پردہ پر نہ تھا قتل ہو گئے ہیں، میں کیسے نہ روؤں۔

یوں تو یہ رونا بالکل فطری تاثرات کی تحریک سے تھا مگر اس کے ضمن میں نہایت پر امن طریقہ سے حسینؑ کی مظلومیت اور شہادت کا تذکرہ زندہ رہا اور زین العابدینؑ کے غیر معمولی گریہ کے چرچے کے ساتھ شہادت حسینؑ کے واقعات کا تذکرہ فطری طور سے لوگوں کی زبانوں پر آتا رہا جو دوسری صورت میں اس وقت حکومت وقت کے مصالح کے خلاف ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پاجاتا۔

دوسری مرتبہ گرفتاری:۔اتنی پر امن زندگی کے باوجود حکومت شام کو اپنے مقاصد میں حضرت کی ذات سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا اور عبدالملک ابن مروان نے اپنی حکومت کے زمانے میں آپ کو گرفتار کرا کے مدینہ سے شام کی طرف بلوایا اور دو تین دن آپ دمشق میں قید رہے مگر خدا کی قدرت تھی اور آپ کی روحانیت کا اعجاز جس سے عبدالملک خود پشیمان ہوا اور مجبوراً حضرت کو مدینہ واپس ہو جانے دیا۔

اخلاق و کمالات:۔پیغمبرؐ خدا کی مبارک نسل کی یہ

خصوصیت تھی کہ بارہ فردیں لگا تار ایک ہی طرح کے انسانی کمالات اور بہترین اخلاق واوصاف کی حامل ہوتی رہیں جن میں سے ہر ایک اپنے وقت میں نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی سید سجادؑ تھے جو اخلاق و اوصاف میں اپنے بزرگوں کے یادگار تھے اگر ایک طرف صبر و برداشت کا جو ہر وہ تھا جو کربلا کے آئینہ میں نظر آیا تو دوسری طرف حلم وعفو کی صفت آپ کی انتہا درجہ پر تھی آپ نے ان موقعوں پر اپنے خلاف سخت کلامی کرنے والوں سے جس طرح کی گفتگو فرمائی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا حلم اس طرح کا نہ تھا جیسے کوئی کمزور نفس والا ڈر کر یا اپنے کو مجبور سمجھ کر تحمل سے کام لے بلکہ آپ عفو اور در گذر کی فضیلت پر زور دیتے ہوئے اپنے عمل سے اس کی مثال پیش کرتے تھے۔ ایک شخص نے بڑی سخت کلامی کی اور بہت سے غلط الزامات آپ پر آپ کے منہ پر عائد کئے حضرت نے فرمایا جو کچھ تم نے کہا اگر وہ صحیح ہے تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر غلط ہے ...... تو خدا تمہیں معاف کردے۔ اس بلند اخلاقی کے مظاہرے کا ایسا اثر پڑا کہ مخالف نے سر جھکا دیا اور کہا حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ میں نے کہا وہ غلط ہی تھا ایسے ہی دوسرے موقع پر ایک شخص نے آپ کی شان میں بہت ہی نازیبا کوئی لفظ استعمال کی حضرت نے اس طرح بے توجہی فرمائی کہ جیسے سنا ہی نہیں۔ اس نے پکار کے کہا ''ایاک اعنی''، یعنی میں آپ کو کہہ رہا ہوں حضرت نے فرمایا ''عنک اعرض'' ہاں میں تم ہی سے اعراض یعنی بے توجہی کر رہا ہوں۔ یہ اشارہ تھا اس حکم قرآن کی طرف کہ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰاهِلِيْن۔ یعنی عفو کو اختیار کرو اچھے کاموں کی ہدایت کرو اور جاہلوں سے بے توجہی اختیار کرو۔

ہُشام ابن اسماعیل ایک شخص تھا جس سے حضرت کی نسبت کچھ ناگوار باتیں سرزد ہوئی تھیں یہ خبر بنی امیہ کے (نیک) بادشاہ عمر ابن عبدالعزیز کو پہونچی۔ اس نے حضرت کو لکھا کہ میں اس شخص کو سزا دوں گا آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کو کوئی نقصان پہنچے۔

فیاضی اور خدمت خلق کا جذبہ آپ کا ایسا تھا کہ راتوں کو غلہ اور روٹیاں اپنی پشت پر رکھ کے غریبوں کے گھروں پر لے جاتے تھے اور تقسیم کرتے تھے بہت سے لوگوں کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ وہ کہاں سے پاتے ہیں اور کون ان تک پہنچاتا ہے جب حضرت کی وفات ہوئی اس وقت انہیں پتہ چلا کہ یہ امام زین العابدینؑ تھے۔ عمل کی ان خوبیوں کے ساتھ علمی کمال بھی آپ کا ایسا تھا جو دشمنوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کرتا تھا اور ان کو اقرار تھا کہ آپ کے زمانے میں فقہ اور علم دین کا کوئی عالم آپ سے بڑھ کر نہیں۔ ان تمام ذاتی بلندیوں کے ساتھ آپ دنیا کو یہ سبق بھی دیتے تھے کہ بلند خاندان سے ہونے پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ آپ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا نام ونسب لوگوں کو نہ بتلاتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے نسب کا سلسلہ تو پیغمبرؐ خدا تک ملاؤں اور ان کے صفات مجھ میں نہ پائے جائیں۔

عبادت:۔ آپ کی مخصوص صفت جس سے آپ زین العابدینؑ اور سید الساجدین مشہور ہوئے وہ عبادت ہے باوجودیکہ آپ کربلا کے ایسے بڑے حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، باپ بھائیوں اور عزیزوں کے دردناک قتل کے مناظر برابر آپ کی آنکھوں میں پھرا کرتے تھے اس حالت میں کسی دوسرے خیال کا ذہن پر غالب آنا عام انسانی فطرت کے لحاظ سے بہت مشکل ہے۔ مگر باپ کے اس غم وصدمہ پر جس نے عمر بھر سید سجادؑ کو رلایا اگر کوئی چیز غالب آئی تو وہ خوف خدا اور عبادت میں محویت تھی۔ یہاں تک کہ جس وقت وضو کے لئے پانی سامنے آتا تھا اور نماز کا ارادہ فرماتے تھے اس وقت آپ کے تصورات کی دنیا بدل جاتی تھی چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور جسم میں لرزہ پڑ جاتا تھا کوئی سبب پوچھتا تھا تو فرماتے تھے کہ خیال تو کرو مجھے کس حقیقی سلطان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔

ایک مرتبہ حج کے موقع پر ایسا ہوا کہ احرام باندھتے وقت لبیک (حاضر ہوں) کہنا چاہا تو رنگ چہرہ کا اڑ گیا اور تمام جسم میں لرزہ پڑ گیا اور کسی طرح لبیک نہ کہا گیا لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا میں سوچتا ہوں کہ شاید میں لبیک کہوں اور اس بارگاہ سے یہ آواز آئے کہ لالبیک (حاضری کی اجازت نہیں) یہ فرما کر اتنا روئے کہ غش آگیا اس دور میں کہ جب دنیا کے دل پر دنیوی بادشاہوں کی عظمت کا اثر تھا اور خالق کو بالکل بھول چکی تھی، سید سجادؑ ہی تھے جن کی زندگی خالق کی عظمت کا احساس پیدا کرتی تھی۔

صحیفۂ سجادیہ یا زبور آل محمدؐ:۔ حضرت امام زین العابدینؑ کو زمانہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اپنے دادا علی ابن ابی طالبؑ کی طرح خطبوں (تقریروں) کے ذریعہ سے دنیا کو علوم ومعارف اور الٰہیات وغیرہ کی تعلیم دیں نہ ان کے لئے اس کا موقع تھا کہ وہ اپنے بیٹے امام محمد باقرؑ یا اپنے پوتے امام جعفر صادقؑ کی طرح شاگردوں کے مجمع میں علمی و دینی مسائل حل کریں اور دنیا کو اچھی باتوں کی تعلیم دیں یہ سب باتیں وہ تھیں جو اس وقت کی فضا کے لحاظ سے غیر ممکن تھیں۔

اس لئے امام زین العابدینؑ نے ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا جو بالکل پر امن تھا اور جسے روکنے کا دنیا کی کسی طاقت کو کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا وہ یہ تھا کہ تمام دنیا والوں سے منہ موڑ کر وہ اپنے خالق سے مناجات کرتے اور دعائیں پڑھتے تھے مگر یہ مناجاتیں اور دعائیں کیا تھیں؟ الٰہیات کا خزانہ، معارف وحقائق کا گنجینہ، خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کا صحیح آئینہ، دعاؤں کا مجموعہ صحیفۂ کاملہ، صحیفۂ سجادیہ اور زبور آل محمدؐ کے ناموں سے اس وقت تک موجود ہے۔

اس میں انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو اسے بڑے بڑے خطبوں اور تقریروں میں شائد اتنی پر تاثیر انداز سے نہ ملتا۔

وفات:۔ افسوس ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ کی یہ خاموش زندگی بھی ظالم حکومت کو ناگوار ہوئی اور ولید بن عبد الملک اموی بادشاہ شام نے آپ کو زہر دلوادیا اور ۲۵ رمحرم ۹۵ھ شہر مدینہ میں وفات ہوئی۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے مقدس باپ کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا اور جنت البقیع میں حضرت امام حسنؑ کی پہلو میں دفن کیا۔